eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

CC BY

OPEN ACCESS

سید وقار عظیم کی داستانی تنقید

THE ROLE OF SYED WAQAR AZEEM IN URDU DASTANI CRITICISM

ڈاکٹر ثمینہ سیف، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین سمن آباد، لاہور
Dr. Samina Saif,
Assistant Professor, Department of Urdu, Government Graduate College for Women, Samanabad, Lahore

ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
Dr. Nasima Rehman,
Associate Professor, Department of Urdu, G.C. University, Lahore

ABSTRACT
Syed Waqar Azeem is considered to be among the preliminary critics and trendsetters in defining the traditions and history of Urdu fiction. The structure of his diverse critical ideologies is basically a blend of literature, civilization, culture, religion and society. He possesses a strong mastery over the different modes of fiction. He does not ignore contemporary consciousness when he makes a critique on fiction. Resultantly, his criticism is not only limited to fiction's psychological, social, and aesthetic values rather it also mirrors different collections of prose and ideological movements in general and the evolutionary stages of Dastan to Afsana in particular. He has set a standard of fiction through his unbiased and witty beliefs. The critique of Urdu fiction has been introduced with new dimensions due to critical insights provided by him.

KEYWORDS: Syed Waqar Azeem, Dastani Critic, Urdu Fiction, Stylistic Evaluation, Civilization and Culture, Religion, Psychology.

کلیدی الفاظ :سید وقار عظیم، ہماری داستانیں، داستانی نقاد، اسلوب، کثیر الجہت، تہذیب و ثقافت، نفسیات

سید وقار عظیم (۱۹۷۶ء۔۱۹۰۹ء) کا شمار بیسویں صدی میں اُردو نثری داستانی ادب کے اوّلین اور جید ناقدین میں ہوتا ہے۔ منثور داستانی ادب کی تنقیدی تاریخ میں ایک عہد ساز نقاد کی حیثیت سے ان کا نام معتبر اور اہم ہے۔ انہوں نے بیک وقت داستان، ناول، افسانے اور ڈرامے پر تنقید کرتے ہوئے لائق تحسین علمی سرمایہ پیش کیا ہے۔ ان کی داستانی

ادب پر کی گئی تنقید نہ صرف ماضی اور حال میں یکساں معنویت کی حامل ہے بلکہ مستقبل میں بھی متاخرین کے لیے ایک روشن سنگِ میل اور مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ داستانی ادب کی تنقید کے حوالے سے سید وقار عظیم کی معروف تصنیف ''ہماری داستانیں'' گلہائے رنگ چمن کی مانند اپنے دامن میں مختلف نثری داستانوں پر تنقیدی مضامین سمیٹے داستانی تنقید کے افق میں ایک قابل فخر ورثے کی صورت اختیار کیے ہوئے ہے اور ''فورٹ ولیم کالج: تحریک اور تاریخ'' میں فورٹ ولیم کالج سے وابستہ داستانوں کا تنقیدی سرمایہ موجود ہے۔ البتہ ''داستان سے افسانے تک'' اور ''فن اور فن کار'' میں بھی چند ایسے مضامین ہیں جو داستانی تنقید کے زمرے میں آتے ہیں۔ نیز انہوں نے ''باغ و بہار''، ''بیتال پچیسی'' اور ''سرشار کی الف لیلیٰ'' مرتب کرتے ہوئے مقدمات میں تنقیدی و تحقیقی خیالات کا جابجا اظہار کیا ہے۔ بعد ازاں یہ مقدمات انہوں نے ''ہماری داستانیں'' کے دوسرے ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن میں شامل کیے ہیں۔

''ہماری داستانیں'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا جبکہ اس کا دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۶۶ء میں چھپا جس میں پانچ مضامین کے علاوہ ''باغ و بہار'' کا مقدمہ بھی بطور اضافہ شامل ہے۔ اُردو میں نثری داستانوں کا وقیع سرمایہ موجود ہے جو کافی عرصہ تک ناقدین کی بے اعتنائی کا شکار رہا مگر بیسویں صدی میں جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں تبدیلی آئی وہاں داستانی ادب کے متعلق ادیبوں کے تصورات و رجحانات میں بھی خوشگوار انقلاب آیا اور ناقدین کی کثیر تعداد نے داستانی ادب کی تنقید کی طرف رخ کیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ محکوم قوم حاکم قوم کی پیروی کے لیے تمام شعبہ ہائے حیات میں نفسیاتی طور پر خود کو مجبور پاتی ہے اور یہ بات مزید دو آتشہ اس وقت ہو جاتی ہے جب حاکم سیاسی، سماجی اور معاشی سطحوں پر خیر خواہی کے لبادے میں اپنے اقتدار کی توسیع اور بقا کی سعی کرتا ہے۔ مغرب کے حوالے سے اگر دیکھیں تو انہوں نے سیاسی، ثقافتی اور ادبی تسلط ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں جاگزیں کیا ہوا ہے۔ ایک طویل عرصہ تک اُردو دان طبقہ انگریزوں کے تہذیبی اور تعلیماتی ایجنڈے پر چلتے ہوئے اُردو داستانوں کو ناکارہ، کم ارز اور باعث عار سمجھتے رہے مگر اسی اثناء میں کلیم الدین احمد، حسن عسکری، شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر سہیل احمد خاں اور سید وقار عظیم جیسے ناقدین نے داستانی ادب کی بازیافت کر کے اپنے کھوئے ہوئے تہذیبی وقار اور ثقافتی شناختوں کو بحال کیا۔ اُردو داستانی ادب کی تنقیدی تاریخ میں سید وقار عظیم کا شمار صف اول کے قافلہ سالاروں میں ہوتا ہے۔

''فورٹ ولیم کالج: تحریک اور تاریخ''میں انہوں نے فورٹ ولیم کالج کے تمام داستان گوؤں کا تذکرہ کیا اور ان کی طبع زاد یا ترجمہ شدہ داستانوں کے اجزائے ترکیبی، اسالیب اور ان کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ آخر میں انہوں نے ''فورٹ ولیم کالج کی خدمات کا مجموعی جائزہ'' میں ان داستانوں کی چیدہ چیدہ خوبیوں کو بیان کیا ہے۔ ان کے خیال میں یہ داستانیں تخیل کی بلند پروازیوں اور تصور کی ندرت آفرینیوں کے باوجود اپنے عہد اور ماحول کی عکاس ہیں۔ سادہ بیانی سب داستانوں میں قدر مشترک ہے مگر ہر داستان کا ماحول اور مزاج منفرد خصوصیتوں کا حامل ہے جس کا اپنی معاشرتی زندگی سے گہرا رشتہ ہے۔ سید وقار عظیم اس خیال کے داعی ہیں:

> '' اُردو میں داستان کے فن کی روایت کا سرچشمہ فورٹ ولیم کالج کے قصے کہانیاں ہیں۔ ان قصے کہانیوں یا داستانوں کی اہمیت دو اور باتوں کی وجہ سے بھی ہے۔ پہلی تو یہ کہ ان داستانوں نے ادب کے مطالعے کی اس بنیادی حقیقت کو بڑے دلکش انداز میں واضح کیا ہے کہ ادب اور خصوصاً افسانوی ادب کا معاشرتی زندگی کے ساتھ بڑا گہرا رشتہ ہے۔۔۔ دوسری فنی حقیقت یہ ہے کہ مصنف کا ماحول اور مزاج اور اس کی شخصیت، اس کے اسلوب نگارش پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ ''(1)

انہوں نے فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کی فنی و ادبی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اُردو کے نثری اسلوب کے ارتقا میں ان کی اہمیت اور گراں قدر خدمات پر بھی روشنی ڈالی۔ ''داستان سے افسانے تک'' میں سید وقار عظیم نے اُردو فکشن کا آغاز انیسویں صدی کے نصف آخر میں تحسین کی ''نوطرز مرصع'' سے کیا ہے، مزید برآں انہوں نے فورٹ ولیم کالج اور بیرون فورٹ ولیم کالج کے معروف داستانی ادب میں نمایاں خصوصیات بیان کی ہیں۔ ان کے مطابق اُردو کی نثری داستانوں میں تخیل و تصور کی غیر فطری اور ناقابل یقین دُنیائیں بسی ہوئی ہیں جن میں قارئین کے لیے سرور و انبساط کا سرمایہ موجود ہے اور یوں: ''داستان گو نے اپنی داستانوں کے ذریعہ انسان کو یہی خوشی دی ہے۔ اس لیے عقل و منطق سے عاری ہونے پر بھی وہ اس دلچسپی کا وسیلہ ہیں۔ ''(2)'' داستان سے افسانے تک'' میں انہوں نے فن داستان گوئی کے بنیادی اصول اور لوازمات کو بیان کیا ہے۔ نیز یہ بھی واضح کیا کہ اگرچہ یہ صنف موجودہ ادبی مذاق اور میلان سے مطابقت نہیں رکھتی پھر بھی اسے ماضی کی یادگار سمجھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے، درحقیقت اُردو نثری ادب کی عمارت کی بنیاد نثری داستانوں پر استوار ہے۔

'' ہماری داستانیں'' میں سید وقار عظیم کے تنقیدی خیالات کی اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا

ہے۔ وہ داستانوں کو زندگی، سماج، ثقافت اور تہذیب کا ترجمان تصور کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اُردو داستانی ادب کی ہر سطر اپنے دامن میں تقریباً ڈیڑھ سو برس کی داخلی و خارجی معاشرت اور مشرقی انداز فکر و تخیل سموئے ہوئے ہے۔ سید وقار عظیم نے ''باغ و بہار''، ''رانی کیتکی کی کہانی''، ''داستان امیر حمزہ''، ''آرائش محفل''، ''بیتال پچیسی''، ''نورتن''، ''فسانہ عجائب''، ''شرار عشق''، ''شگوفہ محبت''، ''گل وصنوبر''، ''قصہ اگر وگل'' اور سرشار کی ''الف لیلیٰ'' جیسی معروف وغیر معروف اور طویل ومختصر داستانوں کا تنقیدی مطالعہ ''ہماری داستانیں'' میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے ''پیش لفظ'' میں مذکورہ بالا تمام داستانوں کو الگ الگ خصوصیات کا حامل کہا، اس ضمن میں اُن کا کہنا ہے:

> ''اُردو کی ہر مشہور داستان کا مطالعہ کرنے کے بعد جب میں نے اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا اور اس کے اجزا کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی تو مجھے ہر داستان میں کوئی ایک ایسی بات نظر آئی ہے جو صرف اس داستان کا امتیاز ہے اور اس امتیاز کی بدولت اسے ایک منفرد حیثیت ملی ہے۔ میں نے اسی امتیازی خصوصیت کو اپنے مضامین کا موضوع بنایا ہے۔ مثلاً باغ و بہار کا امتیاز قصہ گوئی اور لطف بیان کی خصوصیتوں کے علاوہ اس کا وہ متوازن اور سنبھلا ہوا اسلوب ہے جو باغ و بہار کے علاوہ کسی اور داستان میں نہیں ملتا۔ اسلوب کا یہی توازن وہمواری اور بیان کی یہی شگفتگی و دل نشینی ہے جس نے اسے قبول عام کا شرف بخشا ہے۔ فسانہ عجائب کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا وہ انداز بیان ہے جس پر لکھنؤ کے تہذیبی مزاج کی گہری چھاپ ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی انشاء کی ذہانت طبع اور جدت تخیل کی ترجمان ہے۔ نورتن کی کہانیوں کے تنوع نے انہیں دلچسپ بنایا ہے۔ حاتم کی مہموں میں حقیقت اور تخیل کے لطیف امتزاج سے دلکشی پیدا ہوئی ہے اور داستان امیر حمزہ کے دو مختلف نسخوں میں مصنفوں کے مزاج اور ماحول کا نقش ثبت ہے۔ اسی طرح مضامین کے اس مجموعے میں اتفاق سے وہی تنوع پیدا ہو گیا ہے جس کی مظہر ہماری داستانیں ہیں۔ ''(3)

سید وقار عظیم کے ان خیالات کی مدد سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک کونسی داستان کن خوبیوں کی بدولت قبول عام کا درجہ رکھتی ہے۔

''ہماری داستانیں'' کا پہلا مضمون ''ہماری داستانیں'' کے عنوان سے ہی ہے، اس میں انہوں نے داستان کے فن، اس کے مختلف ادوار اور داستانی ادب کے عروج وزوال

کو نہایت مربوط انداز میں بیان کیا ہے۔ کتاب کے دوسرے اور تیسرے مضمون بالترتیب ''باغ و بہار اور قبول عام'' اور ''باغ و بہار کے نسوانی کے کردار'' میں اُردو کی مقبول داستان ''باغ و بہار'' کا ناقدانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ سید وقار عظیم ''باغ و بہار'' کی شہرت کا دار و مدار اس کے انداز بیان میں سادگی اور فصاحت کو بتاتے ہیں، اپنی رائے کی تائید میں انہوں نے مولوی عبدالحق اور کلیم الدین احمد کے اقوال بطور سند پیش کر کے اپنے تنقیدی خیالات کو استحکام بخشا ہے۔ نیز انہوں نے دلائل سے غوث زریں اور عطا حسین تحسین کے مقابلے میں میر امن کو کامیاب قصہ گو قرار دیا ہے۔ انہوں نے کمال چابکدستی سے تینوں قصہ گویوں کی تصانیف سے اقتباسات پیش کر کے فطرت و منظر نگاری انداز بیان، سلاست اور فصاحت کے اعتبار سے میر امن کو بہتر قرار دیتے ہوئے ''باغ و بہار'' کو امتیازی خصوصیات کی حامل جانا ہے۔

یہاں وہ سائنسی نقطہ نظر سے تنقید کرتے ہوئے پہلے تجزیہ کرتے ہیں اور بعد ازاں دلائل اور مثالوں سے اپنے فیصلے کو مستند بناتے ہیں۔ مزید بر آں وہ تقابلی اور تجزیاتی تنقید کی مدد سے ''باغ و بہار'' کا موازنہ اس جیسی دوسری داستانوں سے کرتے ہیں۔ ان کے اس تقابلی جائزے سے نہ صرف میر امن کے انفرادی تشخص کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے بلکہ اجتماعی طور پر اُردو داستانی ادب میں ''باغ و بہار'' کو وسیع تر تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''باغ و بہار کے نسوانی کردار'' میں سید وقار عظیم نے نسوانی کرداروں کو مرد کرداروں پر فوقیت دی ہے۔ اس ضمن میں وہ تین نسوانی کرداروں کو اپنے تنقیدی دائرہ کار میں لائے ہیں۔ ان میں ایک پہلے درویش کے قصے والی نازنین، دوسری خواجہ سگ پرست کے قصے والی وزیر زادی اور تیسری اسی قصے میں آنے والی سراندیپ کی شہزادی کا کردار قابل ذکر ہے، یہ کردار کٹھ پتلی ہونے کے بجائے خود اپنی انفرادی خصوصیتوں کی بنا پر زندہ جاوید ہیں۔ سید وقار عظیم نے ان تینوں نسوانی کرداروں کے خیالات، احساسات، جذبات اور مزاجوں کو اپنے ماحول کا ترجمان اور ان کی گفتگو کو مخصوص معاشرت کے عین مطابق پایا ہے۔ انہوں نے ان نسوانی کرداروں کا تجزیاتی مطالعہ بڑی دیدہ ریزی اور محنت شاقہ سے کیا ہے اور کردار نگاری کے معائب و محاسن کو بھی اپنے احاطہ تحریر میں لائے ہیں۔ انہیں ''باغ و بہار'' کی خصوصیات اور خوبیوں کے علاوہ خامیوں کا ادراک بھی ہے، جس سے ان کی تنقید علمی، ادبی، فنی اور جمالیاتی جہتوں سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ بلاشبہ جب تنقید کو تحسین یا تنقیص سے بلند رکھا جائے تبھی وہ صحیح معنوں میں فن پارے کو سائنسی

انداز سے پرکھ سکتی ہے۔ قدیم طرز تنقید میں یہ قاعدہ تھا کہ ناقدین بعض علمی، ادبی اور لسانی بنیادوں پر جانبدارانہ فیصلے کرتے تھے مثلاً محمد حسین آزاد نے اپنے استاد کے احترام میں انہیں بڑے مرتبے پر فائز کیا۔ ایسے تنقیدی رویوں سے ادبی دیانتداری مجروح ہوتی ہے مگر سید وقار عظیم کا یہ خاص وصف ہے کہ ان کی تنقید کا ترازو پسند و ناپسند سے مبرا ہو کر متوازن ہے، غیر جانبدارانہ تنقیدی رویے ان کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

سید وقار عظیم نے میر امن کے قلم میں لغزشوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ ان کے خیال میں مصنف دو مقامات پر اعتدال کا راستہ چھوڑ کر جذباتی انداز میں دین کی تبلیغ کرتے ہیں اور حسن و جنس کے معاملات میں بھی کچھ موقعوں پر احتیاط کی کمی محسوس ہوتی ہے مگر یہ خامیاں بالعموم اپنے عہد اور بالخصوص مثنویوں میں عام تھیں، لہٰذا وہ میر امن کی اس بے احتیاطی سے درگذر کرتے ہیں۔ سید وقار عظیم میر امن کے قوت مشاہدہ کو سراہتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> ”میر امن کی حد درجہ متوازن اور اعتدال پسند طبیعت نے بڑی چابکدستی سے ہر چیز کو افسانوی کشش کا تابع رکھا ہے۔ انہوں نے یہ کبھی فراموش نہیں کیا کہ وہ داستان گو ہیں اور داستان گوئی کے مطالبات اور تقاضوں کو پورا کیے بغیر وہ ناظر کو اپنا ہم نوا نہیں بنا سکتے۔ میر امن کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہی ہے کہ انہوں نے ایک داستان گو کی حیثیت سے ہر قدم پر اپنے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کو یاد رکھا ہے۔ “(4)

”ہماری داستانیں“ کا تیسرا مضمون ”رانی کیتکی کی کہانی“ کے تنقیدی تجزیے پر مشتمل ہے۔ سید وقار عظیم کے نزدیک انشا کی یہ داستان بہت سی خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ اولاً قصہ سیدھا سادا اور مختصر ہے، دوم: انشاء کی قادر الکلامی اس کے اسلوب سے نمایاں ہوتی ہے، سوم: اختصار پسندی داستان کی خاص خوبی ہے، چہارم: واقعہ نگاری میں ماضی و حال کے امتزاج کی اہمیت مسلم ہے اور پنجم: داستان گو کا مشاہدہ، تخیل، مطالعہ اور تصور کی نادرہ کاری نہایت دلکش ہے۔ ان تمام خصائص کے علاوہ سید وقار عظیم کو تمام داستانی کردار اور ان کی معاشرت ہندوستانی سماج کی ترجمان لگی، اس حوالے سے وہ یہ موقف اختیار کرتے ہیں:

> ”ہندو معاشرت کا کتنا چوکھا رنگ ہے جسے تخیل اور مشاہدے نے گھلا ملا کر ایک انوکھا روپ دیا ہے۔ معاشرت کی سچی تصویریں، تخیل کی گلکاری بھی اور تصور کی دور بینی بھی۔ اور ان سب سے بڑھ کر سونے پر سہاگہ انداز بیان کی قدرت۔ رانی کیتکی کی کہانی اُردو کی واحد داستان ہے جس نے ہندو معاشرت اور تہذیب کے مزاج کو یوں زندگی کا روپ دے کر زندہ کیا۔ “(5)

اس میں ہر گز دو رائے نہیں کہ ہر ادبی فن پارے کی ایک خاص زبان اور اس کا مخصوص مزاج اور ماحول ہوتا ہے، جس سے بے اعتنائی نقاد کو گمراہ کر سکتی ہے، سید وقار عظیم کو یہ تفوق بھی حاصل ہے کہ وہ داستانی ادب پر تنقید کرتے ہوئے ہر داستان کے اپنے مخصوص ماحول، سماجی محرکات اور تاریخی عوامل کے پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ انہوں نے بالعموم تمام داستانی ادب اور بالخصوص ''رانی کیتکی کی کہانی'' کے مقامی سانچے ہندوستانی مزاج اور مشرقی افتاد ذہنی کو مغربی عینک سے نہیں پرکھا ہے۔ ''داستان امیر حمزہ'' کے عنوان سے لکھے گئے باب میں انہوں نے فورٹ ولیم کالج میں خلیل علی خاں اشک اور لکھنوی نسخوں کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے ''داستان امیر حمزہ'' کی تاریخ اور جلدیں بیان کرنے کے بعد دونوں نسخوں میں ضخامت، آغاز و انجام، داستانوں کے عنوان اور جلدوں میں اختلافات کو نمایاں کیا ہے۔ انہوں نے لکھنوی نسخے کو اشک کے نسخے پر ترجیح دی ہے۔ ان کے مطابق لکھنوی نسخے میں منظم پلاٹ، جزئیات نگاری، موزونیت و توازن، ربط و ہم آہنگی اور تہذیبی و مجلسی لوازمات کی طرف خاص توجہ نے اشک کے نسخے کو پست قامت بنا دیا ہے۔

''آرائش محفل اور حاتم طائی کی مہمیں'' میں انہوں نے حیدر بخش حیدری کے مختصر اور مشہور ''قصہ حاتم طائی'' پر تنقید کی ہے۔ ان کے خیال میں ''آرائش محفل'' کا قصہ پسندیدگی کی بنا پر ''باغ و بہار'' کے قصے پر فائق ہے، حاتم کی سات مہموں میں قاری دل جمعی سے برابر شریک رہتا ہے۔ سید وقار عظیم حاتم کی سات مہمات کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور ان میں علامتی و استعاراتی رموز کو بھی واضح کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے حاتم کے کردار کو عقل و دانش، علم و حکمت، ایثار و خدمت گذاری، نیک نفسی، حسن خلق اور جرأت و مردانگی کا ایسا نمائندہ کہا جو مشرقی روایت کا سب سے بڑا غنی اور سخی ہو کر لعل و جواہر ٹھکرا کر دوسروں کے لئے اپنی جان کو خطروں میں ڈال دیتا ہے۔(6) ''آرائش محفل'' پر کی گئی تنقید کا خاص وصف یہ ہے کہ سید وقار عظیم نے تشریحی انداز نظر سے علم و رموز کی تہیں کھولی ہیں، تنقیدی شعور اور ادبی ذوق کے رچاؤ نے ان کی تنقیدات کو قابل قدر بنایا ہوا ہے۔ ان کا یہ خاص تشریحی و توضیحی طریقہ کار اہل نقد و نظر کے لیے جاذب توجہ اور موجب بصیرت ہے۔ سید وقار عظیم اس مشرقی ادب کے پارکھ ہیں جسے تنقید جدید کے دربار سے غیر فطری ہونے کی سند عطا ہوئی۔ انہوں نے ہمدردانہ نظر ڈالتے ہوئے نہ صرف ''آرائش محفل'' کی اہمیت کو اجاگر کیا بلکہ داستانی ادب کی تنقید میں اس کی قدر و قیمت بڑھائی ہے۔

ان کی تنقیدی تحریروں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی تہذیبی و ثقافتی پس منظر کی تحسین کو بیان کرنے کا جو موثر اور تحسینی انداز انہوں نے اپنایا ہے وہ دل کو موہ لیتا ہے۔ سید وقار عظیم کی ''آرائش محفل'' پر کی گئی تنقید تہذیبی و تمدنی احیا کا مقصد اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے اور ''ہماری داستانیں'' کی دیگر تنقیدیں بھی اسی مقصد کی پابند ہیں۔

''بیتال پچیسی'' کو انہوں نے خالص ہندوستانی طرز معاشرت اور تہذیب کا آئینہ قرار دیا ہے اور اس کی پوری فضا پر علم و ہنر اور حکمت و دانش کی حکمرانی موجود پائی ہے جو انسانی زندگی کی سب سے اعلیٰ و ارفع قدریں ہیں۔ سید وقار عظیم اس تنقیدی خیال کی بھرپور تائید کرتے ہیں کہ ''ان کہانیوں کا پس منظر خالص ہندوستانی ہے اور یہ امتیاز اُردو میں لکھی ہوئی قدیم کہانیوں میں صرف ''بیتال پچیسی'' کا امتیاز ہے۔ ''(7)'' مہجور کی نورتن'' کے عنوان سے تنقیدی مضمون میں سید وقار عظیم نے مہجور کی ''نورتن'' کے ۹ ابواب میں موجود کہانیوں کے حکایتی طرز بیان کو سراہا ہے جن میں تفریحی انداز نے ان قصوں کو اصلاحی یا سماجی مقصد کا حامل بننے کے باوجود انہیں قصہ ہی رکھا ہے، پند و وعظ کا دفتر نہیں بنایا۔

''کچھ فسانہ عجائب کے بارے میں'' کے تحت سید وقار عظیم نے داستان کی شان نزول کے پس پردہ وجوہات و حقائق کو بیان کیا ہے اور ''فسانہ عجائب'' کی منفرد خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے جس سے اُردو کی دیگر داستانیں محروم ہیں۔ انہوں نے سرور کے قلم کا تقابلی مطالعہ میر حسن، میر امن اور میر سوز کے قلموں سے کر کے مثالوں کی مدد سے واقعہ نگاری، رنگینی بیان، ادبی لطافت، زور تخیل اور لکھنؤ کے معاشرتی ماحول کی حقیقی منظر نگاری جیسے فنی و ادبی پہلوؤں پر سرور کو ان پر فوقیت دی ہے۔

علاوہ ازیں سید وقار عظیم نے اپنی تصنیف ''فن اور فن کار'' میں ''فسانہ عجائب کا لکھنوی مزاج'' کے عنوان سے مضمون لکھ کر سرور کی عبارت کو لکھنوی مزاج کے تخیل، فکر اور جذبے کی ترجمان کہا ہے اور یہ ترجمانی اسلوب، منظر کشی، کردار نگاری، مکالمہ نگاری اور ماحول کی عکاسی سے عیاں ہوتی ہے۔ انہوں نے سرور کی نفسیات اور لاشعور کے نہاں خانوں میں جھانکتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ مصنف کو لکھنؤ سے والہانہ محبت نہیں بلکہ عشق تھا اور جلاوطنی نے اسے وارفتگی میں بدل دیا تھا اور یہ وطن پرستی کے شدید جذبات ''فسانہ عجائب'' کے اوراق میں نمایاں اور محفوظ ہیں۔ اس ضمن میں سید وقار عظیم کی رائے ملاحظہ کیجیے:

"لکھنوی ادیبوں میں اس معاملے میں کوئی فسانہ عجائب کے مصنف کا ہمسر نہیں ٹھہرتا۔ اس لیے کہ وہ اس طرز اور مزاج کے حسن و قبیح کا بہترین امتزاج ہے۔ فسانہ عجائب تہذیبی زندگی کا ایسا چمن ہے جس کے دامن میں گلہائے رنگین کی فراوانی تو ہے لیکن اس کا پہلو خاروں کی خلش سے خالی نہیں پھر بھی اس چمن کی سیر نظر افروز اور دل کشا ہے کہ اس کے رنگ و بو میں ایک خاص تہذیب کی روح عکس فگن ہے۔) "8(

"باغ و بہار اور فسانہ عجائب کا قضیہ" درحقیقت دہلی اور لکھنؤ دبستان کے ادبی معرکے کے متعلق ہے۔ میر امن نے دلی کا روڑا بنتے ہوئے حسن کلام اور سادہ و شیریں بیان کا جو دعویٰ کیا اس کا جواب لکھنؤ سے مرزا رجب علی بیگ سرور نے "فسانہ عجائب" کی صورت میں رنگینی بیان کو اظہار وسیلہ بنا کر دیا۔ سید فخر الدین حسین سخن دہلوی جو میر امن کے مداح تھے انہوں نے سرور کے مقابلے میں "سروش سخن" تحریر کی۔ سید وقار عظیم نے "سروش سخن" کو اختصاریت، توازن و اعتدال اور داستان کے خاتمے کو "باغ و بہار" اور "فسانہ عجائب" سے بہتر پایا ہے۔ (9) سید وقار عظیم سے قبل ڈاکٹر گیان چند جین نے "سروش سخن" کو بحوالہ پلاٹ، قصہ پن، کردار نگاری، سراپا کشی اور منظر نگاری "فسانہ عجائب" سے کمتر قرار دیا۔ (10) مگر ڈاکٹر گیان چند جین کے خیالات کو سید وقار عظیم دلائل کی کسوٹی پر رکھ کر یکسر رد کرتے ہیں۔ بلاشبہ بعض اوقات ایسے تنقیدی تضادات سے تحقیق و تنقید کے نئے در وا ہوتے ہیں اور پرانے متعصبانہ تنقیدی خیالات بھی زمین بوس ہوتے ہیں۔ سید مظفر اقبال کا ماننا ہے کہ تنقیدی نقطہ نظر سے ایک دوسرے سے مختلف ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر "سروش سخن" پر سید وقار عظیم اور ڈاکٹر گیان چند جین کے اتنے عظیم اختلاف کی تنقید ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی ہے، ان کے خیال میں سید وقار عظیم نے دلائل سے اپنی رائے کو زیادہ مستند بنایا ہے اور انہوں نے سخن اور سرور کا تقابلی جائزہ بھی لیا ہے جبکہ ڈاکٹر گیان چند جین کے ہاں ایسا کوئی معیار نہیں ہے جس کے تحت انہوں نے فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ سید مظفر اقبال نے دونوں ناقدین کی تنقیدی آرا کو بہ نظر غائر دیکھ کر یہ منصفانہ اور بلیغ تنقیدی نتیجہ اخذ کیا ہے: "سروش سخن کے متعلق وقار عظیم کے خیالات صحیح معلوم ہوتے ہیں اور اس کے برعکس گیان چند کا نقطہ نظر خام اور ناقص نظر آتا ہے ان کے بیانات میں محل نظر آتا ہے۔"(11)

"سروس سخن" کے مقابلے میں محمد جعفر شیون کاکوری نے "طلسم حیرت" لکھ کر سرور کی حمایت کی، یہ داستان سرور اور میر امن کے معرکے کی آخری کڑی ہے۔ سید وقار

عظیم نے زبان کی پیچیدگی، رعایت لفظی کے مضحکہ خیز استعمال، اسلوب کی بے اعتدالی اور بے جا طوالت جیسی خامیوں کی موجودگی پر ''طلسم حیرت'' کو کمزور قرار دیا۔ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے ''باغ و بہار''، ''فسانہ عجائب''، ''سروش سخن'' اور ''طلسم حیرت'' کو ایک کڑی کی صورت میں ملا کر تنقیدی نظر سے دیکھتے ہوئے ان داستانوں کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کیا ہے اور میر امن اور سرور کے ادبی قضیے کو غیر جانبدارانہ دیکھا ہے۔

''شرار عشق'' اور ''شگوفہ محبت'' کے عنوانات کے تحت سید وقار عظیم نے رجب علی بیگ سرور کی دو اور داستانوں کا بھی تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔ انہوں نے ''شرار عشق'' کو داستانی ادب کی سب سے مختصر داستان محبت قرار دے کر اسے دلکش اسلوب اور اعلیٰ معاشرتی و اخلاقی اقدار کا امتزاج تصور کیا۔ ''شگوفہ محبت'' کے پلاٹ اور اسلوب کو انہوں نے اپنی تنقیدی بحث کا حصہ بنایا ہے نیز تقابلی طرز تنقید سے کام لیتے ہوئے ''فسانہ عجائب'' کے مقابلے میں ''شگوفہ محبت'' کی فنی خامیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

''قصہ گل و صنوبر'' پر سید وقار عظیم کی تنقید کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم مذکورہ داستان میں درج ذیل خصوصیات دیکھ سکتے ہیں: (۱) ''قصہ گل و صنوبر از نیم چند کھتری میں تیرہ داستانیں، عنوان یا ابواب ہیں جن کی تقسیم بڑی مرتب اور کہانیاں بڑے مربوط انداز سے پیش کی گئی ہیں۔ (۲) داستان گو کا رومانی تخیل اعلیٰ پائے کا ہے۔ (۳) داستان کے تمام قصوں میں دلچسپی اور مقبولیت کا سامان موجود ہے۔ بلاشبہ سید وقار عظیم کی اس تنقید سے ''قصہ گل و صنوبر'' کا معیار متعین کیا جا سکتا ہے۔ ان کی نظر نیم چند کھتری کے عہد اور ماحول پر گہری اور بسیط ہے۔ انہوں نے اگر ''قصہ گل و صنوبر'' کے محاسن بیان کیے ہیں تو وہ معائب سے بھی چشم پوشی نہیں کرتے ہیں۔ سید وقار عظیم مبالغہ آرائی اور بعض مقامات پر ثقیل اسلوب کو داستان کی خرابی گردانتے ہیں۔ داستانی ادب کی تفہیم و تشریح کا یہ متوازن انداز ان کی تنقید کو مزید تقویت اور سنجیدگی بخشتا ہے۔

''قصہ اگر و گل'' میں سید وقار عظیم کو انیسوی صدی کی لکھنوی تہذیب و معاشرت کی جلوہ گریاں نظر آئیں۔ انہیں مسجع و مقفیٰ عبارت، رعایت لفظی اور پر تکلف بیان کے باوجود ''قصہ اگر و گل'' دلچسپی کا ایک موثر ذریعہ لگا ہے۔ ایک باشعور اور صاحب بصیرت داستانی نقاد ہونے کے ناطے انہیں ہر داستان میں موجود تمدن، سماج اور معاشرت کی جانکاری حاصل ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مطابق سید وقار عظیم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ:

" وہ سماجی پس منظر میں ادبی تنقید میں ادبی تخلیقات کا جائزہ لیتے ہیں اس میں ایک پیام کی بھی تلاش رہتی ہے اس کے سماجی عمل اور سماجی فریضہ ہونے کا بھی ان کو خیال رہتا ہے اور ساتھ ہی فنی اور جمالیاتی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ "(12)

"سرشار کی الف لیلیٰ" سید وقار عظیم کی تصنیف "ہماری داستانیں" کا آخری مضمون ہے جس میں انہوں نے "الف لیلیٰ" کی کہانیوں کو تاریخی و عالمی تناظر میں بیان کرتے ہوئے سرشار کی داستان کو اپنی تنقید کا موضوع بنایا ہے۔ اس داستان پر انہوں نے سب سے مختصر تنقید کرتے ہوئے سرشار کے لکھنوی اسلوب کو دل نشین و دل کش بتایا ہے۔ آخر میں انہوں نے ایک مضمون "باغ و بہار اور اس کا مصنف" کو بطور اضافہ شامل کیا ہے، یہ درحقیقت "باغ و بہار" کا مقدمہ ہے جو انہوں نے اسی داستان کو مرتب کرتے ہوئے لکھا تھا۔ "ہماری داستانیں" میں سید وقار عظیم نے متعدد داستانوں کے وقیع تنقیدی تجزیے اور مطالعے پیش کیے ہیں، داستانی ادب کی تنقید میں وہ ایک محتاط ناقد کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ زیر نظر تصنیف میں انہوں نے "بیتال پچیسی"، "الف لیلیٰ" از سرشار اور "باغ و بہار" کے مقدمات بھی شامل کیے ہیں۔ ان کے یہ مقدمات اُردو داستانی ادب کی تنقید میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کے مقدمات نکتہ رسی، باریک بینی اور اعلیٰ تنقیدی شعور کے مظہر ہیں جن میں سادگی اور وقار لازمی اجزائے ترکیبی ہیں۔ وہ شروع سے آخر تک سنجیدہ تنقیدی معیار برقرار رکھے ہوئے ہیں اور انداز بیان کو گرانبار اور پیچیدہ نہیں ہونے دیتے ہیں، سادگی کا اثر ان کے تمام مقدمات میں حسن بن کر جھلکتا ہے۔ مثال کے طور پر "باغ و بہار" کے مقدمے میں انہوں نے سادہ و سلیس انداز بیان اختیار کرتے ہوئے پلاٹ، قصہ گوئی، کردار نگاری اور جزئیات نگاری کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، نیز عصر حاضر میں "باغ و بہار" کی معنویت کو اُجاگر کیا ہے اور میر امن کو اعتدال پسند اور ان کے قلم کو بے باکی سے پاک قرار دیا ہے۔ (13) لیکن جونہی "بیتال پچیسی" کے مقدمے پر نظر دوڑائیں تو یہاں سید وقار عظیم کا انداز تنقید یکسر جدا اور مختلف ہے۔ یہاں انہوں نے حکایات، اخلاقیات اور ہندوستانی دیومالائی تصورات پر برج بھاشا کے اسلوب کا غلبہ جان کر داستان کے ہندوستانی تخیل میں مشرقیت اور ہندویت کا ایک خاص طرح کا رس محسوس کیا ہے۔ (14)" الف لیلیٰ " از سرشار کے مقدمے میں انہوں نے سرشار کی "الف لیلیٰ" کا تقابلی جائزہ ان کی دیگر تخلیقات سے کرتے ہوئے اُردو نثاروں میں بحوالہ زبان و بیان ان کو عوام و خواص میں پسندیدگی کے عہدے پر بٹھایا ہے۔ ان کے یہ تمام مقدمات الگ الگ اور منفرد طرز تنقید کے

ترجمان ہیں۔ عموماً مقدمات میں مداحی کا انداز اپنایا جاتا تھا مگر سید وقار عظیم کے ہاں اعتدال پسندانہ طرز کا چلن ہے۔

انہوں نے ان مقدمات میں تنقید اور تحقیق کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کیا ہے، زبان و بیان کے بعض پیچیدہ اور اہم معاملات و مسائل کی گتھیاں سلجھانے کے لیے وہ تحقیق کی راہ اختیار کرتے ہیں جبکہ ان داستانوں کی سماجی، ادبی اور فنی اہمیت واضح کرنے کے لیے وہ تنقید کا سہارا لے کر مختلف پہلوؤں کے بہت سے اسرار و رموز کھولتے ہیں۔ تحقیق و تنقید دونوں ان کے یہاں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور دونوں کے درمیان توازن و ہم آہنگی بھی موجود ہے۔ یہ مقدمات اپنی ذات میں محققانہ تنقید کی بہترین مثالیں ہیں۔ جو اُردو تنقید میں مستقل حیثیت رکھتے ہوئے کئی لحاظ سے داستانی ادب کے تنقیدی افق کو وسیع کرنے کا وسیلہ ہیں۔

سید وقار عظیم کی داستانی تنقید کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ وہ داستانوں سے متعلقہ سیاسی، سماجی اور تہذیبی مضمرات سے بحث کرتے ہیں اور ان کے جلو میں مذہبی مطالعات بھی ہیں۔ مزید برآں وہ تاریخی و جغرافیائی پہلوؤں کو علمیاتی دائرے میں رکھ کر بھی دیکھتے ہیں۔ ان کی تنقید میں یہ خوبی بجا طور پر دیکھی جا سکتی ہے کہ وہ داستانوں کی تفسیر و تشریح کے ان تمام حربوں سے آگاہ ہیں جن میں تاریخی محرکات، سماجی اسباب و علل اور عمرانیاتی حوالوں کی مدد سے اپنے تنقیدی موقف کے لیے قاری کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔ انہوں نے عقلی استدلال اور علمی ذوق کے سہارے دلکش انداز سے ''ہماری داستانیں'' میں مختلف داستانوں پر تنقیدی مضامین لکھتے ہوئے لطافت اور دھیمے پن کا دامن تھامے رکھا ہے۔ ''ہماری داستانیں'' میں سید وقار عظیم کے انداز تنقید کو دیکھتے ہوئے ڈاکٹر سید عبداللہ فرماتے ہیں کہ ''وقار عظیم کی تنقیدوں کا اہم پہلو انداز بیان کی دلکشی ہے وہ جس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں اس میں جان ڈال دیتے ہیں، ان کی تنقید میں پختگی بھی ہے، علمیت بھی اور دل نشینی بھی۔'' (15) ''ہماری داستانیں'' میں شامل مضامین کا جائزہ لینے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سید وقار عظیم نے داستانی ادب کی تنقید میں جہاں عصری زندگی کو نمایاں مقام عطا کر کے ادب برائے زندگی کے مقصد کا اظہار کیا ہے وہیں اسلوب کو ادبی پیرایہ میں ہونا ضروری تصور کرتے ہیں جس کے بل بوتے انہوں نے ان داستانوں کو مقصد اور فن پر پورا اترتے دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں وہ کردار نگاری، پلاٹ، منظر نگاری، جذبات نگاری اور تہذیبی مرقع نگاری جیسے دیگر لوازمات کو بھی اپنے تنقیدی احاطہ کار میں لاتے ہیں۔

کافی عرصہ تک ایک مغرب زدہ طبقہ جو داستانی ادب کو بے وقعت، بیکار شغل اور وقت کا ضیاع قرار دیتا رہا، سید وقار عظیم نے اُردو داستان کے حق میں دلائل سے اثباتی تحسین کی کیفیت پیدا کرتے ہوئے داستانوں کو قعر گمنامی سے نکال کر ادبی دُنیا سے روشناس کروایا۔ انہوں نے منصفانہ تنقیدی انداز اختیار کرتے ہوئے اس قدیم ادب کو اپنے ماحول کی پیداوار اور اُردو ادب کی تاریخ میں اسے بیش بہا تہذیبی و ثقافتی متاع بتایا ہے۔ درحقیقت ادب پر سماجی، معاشی اور اقتصادی حالات کے مختلف تغیرات براہ راست اثرانداز ہوتے ہیں، جب زندگی نئے خیالات سے روشناس ہوتی ہے تو ادب کا بھی ان خیالات سے متاثر ہونا یقینی ہے۔ سید وقار عظیم نے نہ تو مغربی ناقدین کی عینک سے اپنے اس قدیم ادبی ورثے کو پرکھا اور نہ ہی جدیدیت کے شوق میں اپنے اس علمی اثاثے کا خون کیا ہے۔ سید وقار عظیم کے یہاں تنقیدی خیالات کا سلجھا اور سنجھلا ہوا انداز ادبیت اور جاذبیت سے بھرپور ہے، وہ ادبی تنقید کے سائنٹفک اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے جذباتیت اور انتہا پسندانہ کیفیت سے گریز کرتے ہیں۔ بلاشبہ تنقید جس محتاط روی اور حق شناسی کی متقاضی ہے سید وقار عظیم اس پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ انہوں نے جہاں ان داستانوں میں ادبی و فنی خوبیاں موجود پاکر ستائش و تحسین کے کلمات لکھے وہیں داستان گوؤں کے قلموں کی لغزشوں کا ذکر کرتے ہوئے ان میں موجود خامیوں اور کوتاہیوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا نیز وہ مداح سرائی اور تنقیص سے احتراز کرتے ہوئے مناسب تنقیدی رویے اپناتے ہیں۔

ڈاکٹر ارتضیٰ کریم نے ''اُردو فکشن کی تنقید'' میں سید وقار عظیم کی داستانی تنقید کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ انہوں نے ''بیتال پچیسی''، ''رانی کیتکی کی کہانی''، ''آرائش محفل''، ''نورتن'' اور ''قصہ اگر و گل'' پر کی گئی تنقیدوں کو ڈاکٹر گیان چند جین کی داستانی تنقید پر مختلف حوالوں سے فوقیت دی ہے۔ ڈاکٹر ارتضیٰ کریم اُردو داستانی ادب کی تنقید کا تجزیہ کرتے ہوئے سید وقار عظیم کا مقام و مرتبہ یوں متعین کرتے ہیں:

> ''انہوں نے اُردو کی اہم اور غیر اہم، مختصر اور طویل داستانوں کا تنقیدی مطالعہ کیا، ان کے حسن و قبیح پر روشنی ڈالی اور ارباب فکر و نظر کو سوچنے کی دعوت دی۔ اس اعتبار سے وہ اُردو داستان کے اہم نقادوں میں شمار کئے جائیں گے۔ ان کے تنقیدی مطالعے سے کئی اہم باتیں بھی سامنے آتی ہیں، ایسی باتیں بھی جو ان سے پہلے گیان چند یا کلیم الدین احمد وغیرہ نے نہیں کی تھیں۔ جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے وہ ایک سادہ زبان لکھتے تھے۔ ایسی زبان تو تنقید کے لیے نہایت مناسب ہوتی ہے، باتیں عموماً استدلال سے کرتے ہیں۔ ''(16)

سید وقار عظیم کثیر الجہت بصیرت رکھنے والے نقاد تھے۔ انہوں نے ایک جانب منثور داستانی فن پاروں کی تشریح، تفہیم اور تفسیر کر کے عصر حاضر کے قاری کے لئے اس کلاسیکی ادب کو قابل فہم بنایا تو دوسری جانب انہوں نے فکر انگیز تنقید کرتے ہوئے تقابلی مطالعات سے داستانوں کو مختلف تناظرات میں دیکھا ہے۔ جب ادب جمود کا شکار ہو جاتا ہے تو تنقید اسے از سر نو بحال بھی کرتی ہے اور اس میں ہر گز دو رائے نہیں ہے کہ سید وقار عظیم کے تنقیدی خیالات سے اُردو داستانی ادب کو قوت حیات اور قوت نمو ملی ہے اور ان کی تنقید سے قاری اپنے اندر ان داستانوں کے لئے جمالیاتی جوش و خروش محسوس کرتا ہے۔ ان کے مستعمل سادہ تنقیدی اسلوب کی انفرادیت سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، ان کا طرز نگارش فاضلانہ ہوتے ہوئے بھی سہل، دلکش اور خوبصورت ہے جس میں مشرقی تہذیب و شائستگی کے سبک لہجے، تحریر کی شگفتگی، زبان کی شیرینی اور بیان کی لطافت کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ جس طرح زندگی کا بہتا ہوا دریا مختلف زمینوں اور منطقوں سے گذرتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے اپنا رنگ بدل لیتا ہے ایسے ہی سید وقار عظیم کی تنقید مختلف داستانوں پر متنوع خیالات کی حامل ہے اور وہ ہر داستان میں ایک نئے، الگ اور منفرد تنقیدی انداز سے جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کی داستانی ادب کی تنقید بہت وسیع، ہمہ گیر اور رنگا رنگ تصورات سے مرکب ہے، ان کے ہاں مختلف تنقیدی مکاتب خیال کے اثرات کی آمیزش دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے ''ہماری داستانیں'' میں اپنی تنقیدات کو کسی ایک اصول کا پابند نہیں بنایا ہے، ''باغ و بہار'' میں سائنٹفک اسکول کی نمائندگی موجود ہے۔ ''فسانہ عجائب''، ''داستان امیر حمزہ''، ''شرار عشق'' اور ''شگوفہ محبت'' میں تقابلی انداز تنقید پایا جاتا ہے۔ ''بیتال پچیسی'' میں محققانہ تنقید اور تجزیاتی طریقہ تنقید جھلکتا ہے۔ ''باغ و بہار''میں تاثراتی تنقید کے اجزا موجود ہیں۔ ''رانی کیتکی کی کہانی'' میں تہذیبی و تمدنی امکانات کو دریافت کرنے کی جستجو کی گئی ہے،''فسانۂ عجائب'' میں انہوں نے نفسیاتی حوالوں کو ملحوظ رکھا، ''آرائش محفل'' میں اخلاقی و مذہبی فکر جلوہ گر ہے اور ''نورتن'' میں چھپی ہوئی حکمت و دانش کو تلاش کرنے کی سعی موجود ہے۔

دراصل سید وقار عظیم کی داستانی تنقید ایک ایسا گلہائے رنگین گلستان ہے جس کے پہلو میں متعدد خیالات و نظریات کا چلن ہے۔ انہوں نے اپنے عہد کے مزاج اور ماحول سے تطبیق کرتے ہوئے تشریحی و توضیحی انداز سے ہر داستان کو کھول کر بیان کیا ہے۔ معروضیت اور حقیقت پسندی ان کی تنقیدی تحریروں سے منعکس ہوتی ہے۔ تاریخ،

سماج، مذہب، جنس، اخلاقی اقدار اور طرز زیست کے مشاہدے نے مل جل کر ان کے تنقیدی خیالات کی تار و پود کر کے انہیں متوازن اور بہترین صورت عطا کی ہے۔ انہوں نے داستانی ادب کے فن کی جو تنقیدی گرہیں کھولی ہیں وہ انہیں کا خاصہ ہے۔

سید وقار عظیم نے تنقید کے مشکل، کٹھن اور دشوار کن راستوں پر چلتے ہوئے اُردو داستانی ادب کا معیار متعین کر کے اسے پائیداری بخشی ہے اور غیر جانبدار ہو کر مختلف تنقیدی نقطہ ہائے فکر کے سہارے ان فن پاروں پر فیصلے بھی صادر کیے ہیں۔ انہوں نے اپنی تحقیقی اور انتقادی بصیرت سے اُردو نثر میں داستانی ادب کو نئے تناظر سے روشناس کرایا اور اپنے معقول رویوں سے داستانی ادب کی تنقید کو مختلف خیالات سے مزین کیا ہے۔ بلاشبہ اُردو داستانی ادب کا معیار بلند کرنے اور داستانی تنقید کے معیار کو وقار بخشنے میں سید وقار عظیم کا کردار لائق ستائش اور قابل تحسین ہے۔

حوالہ جات

۱۔ وقار عظیم، سید، فورٹ ولیم کالج: تحریک اور تاریخ، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۱۶۱

۲۔ وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص ۱۲

۳۔ وقار عظیم، سید، ہماری داستانیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰

۴۔ ایضاً، ص ۸۸

۵۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۶۔ ایضاً، ص ۲۷۸

۷۔ ایضاً، ص ۳۰۲

۸۔ وقار عظیم، سید، فن اور فن کار، لاہور: اُردو مرکز، طبع اوّل، ۱۹۶۶ء، ص ۹۱

۹۔ وقار عظیم، سید، ہماری داستانیں، ص ۳۷۶

۱۰۔ گیان چند، اُردو کی نثری داستانیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت سوم، ۲۰۱۴ء، ص ۵۴۳

۱۱۔ مظفر اقبال، سید، بہار میں اُردو نثر کا ارتقا، پٹنہ: کتاب خانہ، طبع اوّل، ۱۹۸۰ء، ص ۲۴۲

۱۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، اُردو تنقید کا ارتقا، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، اشاعت ہشتم، ۲۰۱۹ء، ص ۳۲۷

۱۳۔ میر امنؔ، باغ و بہار، مرتب: سید وقار عظیم، لاہور: اُردو گھر، ۱۹۵۲ء، ص ۱۲

۱۴۔ ولاؔ، مظہر علی خاں، بیتال پچیسی، مرتب: سید وقار عظیم، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۷ء، ص ن

۱۵۔ عبداللہ، سید، اشارات تنقید، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۲۰۰

۱۶۔ ارتضیٰ کریم، اُردو فکشن کی تنقید، لاہور: ملک بک ڈپو، اشاعت اوّل، ۱۹۹۷ء، ص ۲۰۰